عمران اور نواز کا تقابل کرنا بنتا ہے؟

تحریر: سہیل احمد لون

کسی ملک میں ٹریفک کے بہاؤ کو دیکھ کر وہاں کی عوام کے نظم وضبط کا آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کسی گھر کے باورچی خانہ اور باتھ روم کی حالت سے اس بات کا پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ گھر میں مقیم افراد کس قدر صفائی پسند ہیں، کسی بھی جمہوری ملک کے سربراہ سے وہاں کی قوم کی سوچ، فکر اور شعور کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کیونکہ عوام ہی ان کو منتخب کر کے اقتدار کے ایوانوں تک پہنچاتی ہے۔ عوام کے منتخب نمائندے جب ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو ملک کے حال اور مستقبل کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ ان کے اچھے برے فیصلوں میں عوام بھی برابر کی شریک تصور کی جاتی ہے کیونکہ عوام کی اکثریت نے ان کے انتخابی منشور کو اپنے لیے زیادہ بہتر تصور کیا ہوتا ہے۔ وطن عزیز میں بھی ان دنوں انتخابی سرگرمیاں اپنے عروج پر ہیں جس میں تمام سیاسی جماعتیں اپنا منشور عوام کے سامنے پیش کر چکی ہیں۔ 11 مئی 2013ء کو اس بات کا پتہ چل جائے گا کہ عوام کی اکثریت کس کا ساتھ دیتی ہے۔ فی الحال تو قیاس آرائیاں تو سارے سیاسی عامل اپنے نجوم کے مطابق کر رہے ہیں، بدقسمتی سے ''چڑیا والی سرکار'' کیونکہ سرکاری ہو چکی ہے تو عوام ان کے سیاسی استخارے سے محروم رہے گی۔ ویسے تعجب کی بات ہے ''چڑیا والی سرکار'' کی چڑیا اندر کی خبر لے آتی تھی مگر چڑیا والی سرکار کو چڑیا نے پنجاب کی سرکاری گدی کا نگران بننے کی خبر سے محروم رکھا۔ پنجاب آبادی کی لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ ہے جہاں قومی وصوبائی اسمبلیوں کی سب سے زیادہ نشستیں ہیں۔ لہذا ہر سیاسی جماعت کی یہ دلی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ پنجاب میں زیادہ سے زیادہ نشستیں حاصل کر کے حکومت سازی کی راہ ہموار کریں۔ گزشتہ چند انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کی مختلف جماعتوں کے درمیان پنجاب میں سیاسی معرکہ آرائی ہوتی رہی مگر اس بار عمران خان بھرپور تیاری کے ساتھ پی ٹی آئی کی ٹیم کو میدان میں اتار چکے ہیں۔ گزشتہ سے پیوستہ برس 30 نومبر کو مینار پاکستان لاہور کے جلسے نے سیاسی پنڈتوں کی گھنٹیاں بجا دیں۔ اب بلاشبہ پی ٹی آئی کا شمار ملک کی تین بڑی سیاسی جماعتوں میں ہوتا ہے پاکستان پیپلز پارٹی وفاقی کی علامت تصور کی جاتی ہے جسے تمام صوبوں میں پزیرائی ہوتی رہی ہے۔ حالیہ انتخابی مہم میں پی ٹی آئی اور مسلم لیگ نون ایک دوسرے کو زیادہ ٹارگٹ کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ عمران خان نے تو میاں محمد نواز شریف کو ٹیلیوائز مناظرے کا چیلنج بھی کر دیا ہے (ایسا چیلنج وہ ماضی میں بھی کر چکے ہیں)۔ جسے میاں نواز شریف نے ماضی کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے قبول نہیں کیا بلکہ ان کے حامی میاں صاحب کو جماعت کا رہنماء ہی نہیں شاید وزیر اعظم پاکستان ہی تصور کرتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میاں نواز شریف پہلے 2 مرتبہ وزیر اعظم کے علاوہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں۔ مگر موجودہ وقت میں ان کی حیثیت عمران خان کی طرح ایک سیاسی جماعت کے رہنماء کی ہے۔ اگر ایک سیاسی جماعت کا رہنماء دوسرے سیاسی جماعت کے رہنماء کو ٹیلیوائز سیاسی مناظرے کا چیلنج کرتا ہے تو اس میں سابقہ وزیر اعظم ہونے کا بہانہ بنا کر چیلنج سے راہ فرار نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ تمام بڑی سیاسی جماعتوں کے سربراہان کا براہ راست سیاسی مناظرہ ہونا چاہیے، ہر حلقے میں امیدواروں کا بھی عوام کے سامنے آپس میں مناظرہ ہونا چاہیے تا کہ عوام کو ان کی سیاسی بصیرت اور

دانشوری سے آگاہی ہو۔ یہ تو ترقی یافتہ جمہوری ممالک میں عام سی بات ہے امریکہ برطانیہ اور دیگر ترقی یافتہ جمہوری ممالک میں انتخابات کے نتائج کی بنیاد ہی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے براہ راست مناظروں پر ہوتی ہے۔ میاں صاحب تو ملک خوش حال بنانے اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنے کی باتیں کرتے ہیں تو ترقی پسند سوچ کا عملی مظاہرہ بھی کرنا چاہیے۔ انتخابی مہم میں فی الحال تو پی ٹی آئی بمقابلہ مسلم لیگ نون کا دنگل تو نظر آ رہا ہے اگر میاں صاحب مناظرے کا چیلنج قبول کر لیں تو عوام کو عمران خان بمقابلہ نواز شریف سیاسی بصیرت کا دنگل دیکھنے کو مل جائے گا جس سے دونوں کی سیاسی بصارت اور دانشوری کی کلی بھی کھل جائے گی۔ اگر میاں صاحب مناظرہ نہ بھی کریں تو دونوں رہنماؤں کی شخصیت کا تقابلی جائزہ لے کر نتیجہ خود ہی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ عمران خان کے سیاسی مخالفین اسے آج بھی سیاست میں نوزائیدہ تصور کرتے ہیں حالانکہ عمران خان کو عملی سیاست میں قدم رکھے تقریباً سترہ برس ہو چکے ہیں۔ میاں صاحب کی سیاست میں بیک ڈور انٹری آمرانہ دور میں ہوئی۔ میاں صاحب عملی سیاست میں محض سات برس میں وزیر خزانہ، وزیر اعلی سے وزیر اعظم تک پہنچ سکتے ہیں تو کیا عمران خان سترہ برس کی کٹھن سیاسی جدوجہد کے بعد بھی اس قابل نہیں ہوا؟ عمران خان کا تعلیمی پس منظر میاں صاحب سے کہیں بہتر ہے عمران خان آکسفورڈ سے سیاسیات، فلسفہ اور معاشیات میں اصلی ڈگری ہولڈر ہیں جبکہ میاں صاحب نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بزنس اور پنجاب یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی ہے۔ عمران خان نے بطور لیڈر اپنے آپ کو کرکٹ میں منوایا ہے وہ واحد پاکستانی کپتان ہے جسے ریٹائرمنٹ کے بعد عوامی دباؤ کی وجہ سے صدر پاکستان نے دوبارہ کھیلنے کی درخواست کی۔ بطور ٹیم لیڈر عمران خان پاکستان کا واحد کپتان ہے جس نے تین بار مسلسل پاکستان کو عالمی کپ کے سیمی فائنل تک پہنچایا اور عالمی کپ جتوانے کا سہرا بھی عمران خان کے سر ہے۔ بحیثیت ٹیم لیڈر عمران خان ٹیسٹ میچز میں سب سے زیادہ 78 وکٹیں، ایک ٹیسٹ میچ کی ایک اننگز میں 8 وکٹیں، ٹیسٹ میچ کی ایک اننگ میں 5 یا زائد وکٹوں 6 بار لینے کے عالمی ریکارڈز ہولڈر بھی ہیں جو کسی دوسرے کپتان کو نصیب نہیں ہو سکا۔ عمران خان نے اپنے آخری میچ میں بھی فرنٹ سے لیڈ کر کے ٹاپ اسکور 72 اور آخری گیند پر وکٹ لیکر کرکٹ کے سنہری باب کا اختتام عالمی کپ اٹھا کر کیا۔ انتظامی امور میں مہارت کا ثبوت نمل یونیورسٹی اور شوکت خانم ہسپتال ہیں۔ عمران خان نے ٹیم کی قیادت اپنی مرضی سے عروج پر چھوڑی اور عمران خان کی بنائی ٹیم ان کے بعد بھی ایک دہائی تک کرکٹ کی دنیا پر کامرانیاں سمیٹتی رہی۔ جبکہ میاں نواز شریف کو 2 مرتبہ وزیر اعظم بننے کا موقع دیا گیا جس میں 1990ء میں اکثریت کے ساتھ حکومت بنائی۔ عمران خان خود ریٹائرڈ ہوئے تو عوامی دباؤ سے صدر پاکستان کے کہنے پر واپس آئے مگر میاں صاحب کی چھٹی کروا دی گئی مگر عدلیہ نے دوبارہ بحال کروا دیا محض استعفی دے کر دوبارہ انتخابات کروانے کے لیے، 1997ء میں دوبارہ وزیر اعظم بنے تو حالات ایسے پیدا کر دیے کہ آمرانہ تسلط پھر سے قائم ہو گیا۔ عمران خان دوبارہ ٹیم لیڈر بن کر عالمی چیمپین بنواتا ہے جبکہ میاں صاحب دوبارہ منتخب ہونے کے بعد ملک بدر ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ عمران خان سماجی کاموں میں عبدالستار ایدھی کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں جن پر عوام بے پناہ اعتماد کرتے ہیں سیاسی جماعت چلانے میں بھی عوام اپنی جیب سے پیسہ خرچ کرتے ہیں جبکہ میاں صاحب کو خود پیسہ لگانا پڑتا ہے۔ دہشت گردی کے حوالے سے عمران خان واحد سیاسی رہنماء ہے جس نے کالعدم تحریک لشکر جھنگوی کا نام لے کر مذمت کی جبکہ میاں صاحب بالواسطہ یا بلاواسطہ ایسی تنظیموں کی حمایت کرتے ہیں۔ کوئٹہ میں

جب 86لاشوں سمیت ہزارہ کیمونٹی شدید سردی میں احتجاجی مظاہرہ کرتی ہے تو عمران خان وہاں دھرنے میں شریک ہونے پہنچ جاتے ہیں مگر میاں صاحب کوئٹہ جاتے ہیں تو سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے لیے۔ 5برس زرداری کی انشورنس پالیسی بننے کے بعد آج عمران خان کو زرداری کا مددگار کہہ رہے ہیں۔ جنرل جیلانی نے بیج بویا اور ضیاء الحق نے جسے پانی دے کر پودا بنایا اب وہ کسی دوسرے کو اسٹیبلشمنٹ کا آلہ کار کیسے کہہ سکتا ہے؟ عمران خان نے ملکی سیاست کی خاطر اپنے بچوں کو چھوڑا جبکہ میاں برادران نے اپنے بچوں کو ملکی سیاست میں چھوڑ دیا ۔کرکٹ میں جیسے 1987ء کے عالمی کپ کے سیمی فائنل میں منصور اختر کو کھلانے اور سلیم جعفر سے آخری اوور کروانے کی غلطی کپتان سے ہوئی ویسے ہی ٹکٹوں کے معاملے میں عمران خان سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئیں ہیں مگر اس کے باوجود کپتان پر امید ہے۔ کرکٹ میں 2بار سیمی فائنل ہارنے کے بعد اگر تیسری کوشش میں عالمی کپ جیت سکتا ہے تو سیاسی میدان میں دوبار ناکام ہو کر تیسری بار کامیاب بھی ہو سکتا ہے۔ تخت لاہور بچانے اور گرانے میں پی ٹی آئی اور نون لیگ کا زبردست مقابلہ دیکھنے کو ملے گا۔ اگر عمران خان لاہور میں قومی اسمبلی کی سیٹوں کا چھکا مارنے میں کامیاب ہو گیا تو پنجاب بھر میں وہ چھکے چھڑا سکتا ہے۔ عمران خان نے انتخابی مہم کا آغاز لاہور سے کیا اور اختتام بھی لاہور پر ہو گا۔ عمران خان مثبت تبدیلی کا نعرہ لگا کر انتخابی مہم کر رہے ہیں تو کیا وطن عزیز میں انتخابی مہم میں بھی کوئی تبدیلی دیکھنے کو مل سکتی ہے؟ اگر میاں صاحب ٹیلیوائز مناظرہ کا چیلنج قبول کر لیں تو عوام کو عمران خان بمقابلہ نواز شریف شو دیکھنے کو مل سکتا ہے جس سے ان کو ووٹ دینے کے لیے مناسب اور حقدار امیدوار کے انتخاب میں آسانی ہو سکتی ہے۔ ویسے ہم بھی کیا لوگ ہیں کس کا تقابل کس سے کر رہے ہیں؟؟؟

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

26-04-2013.